مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ تَعَالٰی بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

فاضل بہاری وارث علوم اعلیٰ حضرت ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید محمد ظفر الدین بہاری قادری رحمۃ اللہ علیہ
کا علمی استحضار تحقیقی درک و فقہی کمال کو اجاگر کرنے والا ایک نہایت منفرد المثال اور مختصر و جامع رسالہ

بنام

مفہوم فقاہت اور ملک العلماء کی شانِ تفقّہ

از قلم

مفتی غلام رسول اسماعیلی

مرکزی ادارۂ شرعیہ بہار

ناشر: مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار الھند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مفہوم فقاہت اور ملک العلماء کی شانِ تفقّہ

❁❁❁

اللہ رب العزت جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے اور جو اس منصب عظیم پر فائز ہو گیا گویا وہ رب تبارک وتعالی کی رضا اور اس کی کرم نوازی کا مرکز بن گیا۔قرآن وحدیث میں تفقہ فی الدین کی ترغیب اور اس کے حصول پر فضلیت کی نوید سنائی گئی ہے۔قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:"**فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ** ترجمہ کنزالایمان: تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔(**سورۃ التوبہ ، ب ۱۱، آیت ۱۲۲**) اور حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے:"**من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین**" ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے ، اسے دین کی فقاہت عطا فرمادیتا ہے۔(**الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ الخ، ص ۳۹**،)اور ایک روایت میں ہے کہ **فقیه اشد علی الشیطان من الف عابد**" ترجمہ: شیطان پر ایک فقیہ، ہزار عبادت گزاروں کے مقابلے میں زیادہ بھاری اور سخت ہے۔(**سنن الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه علی العبادۃ، ج ۲، ص ۹۷**،) عابد کی عبادت کا نفع صرف اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے، اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو شیطان کے مکر وفریب سے بچا کر جہنم سے بچنے اور جنت میں جانے کا سامان کرے اور بسا اوقات وہ اس معاملے میں بھی کامیاب نہیں ہو پاتا کہ شیطان اس پر وار بھی کر دیتا ہے جبکہ فقیہ کی فقاہت کا نفع اس کو بھی ملتا ہے اور مخلوق خدا کو بھی ، وہ خود اپنے آپ کو شیطان سے بچا کر جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کا سامان کرتا ہے اور دوسروں کے لیے شیطان سے بچ کر جنت میں جانے اور جہنم سے بچنے کا سامان ان کو فراہم کرتا ہے اور یہ بات شیطان پر بہت بھاری ہے کہ وہ تو شروع سے

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد کا دشمن ہے۔

فقہ کا مطلب:۔ دین کی گہری سمجھ ہے اور اصطلاح شرع میں احکام عملیہ شرعیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام فقہ ہے۔عہد صحابہ وتابعین میں فقہ کا لفظ ہر قسم کے دینی احکام کے فہم پر بولا جاتا تھا جس میں ایمان وعقائد، عبادات واخلاق، معاملات، اور حدود وفرائض سب شامل تھے، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ کے ذریعہ فرمائی: ”**ھو معرفة النفس مالھا وما علیھا۔**“ یعنی جس سے انسان نفع ونقصان اور حقوق وفرائض کو جان لے وہ فقہ ہے۔مگر بعد میں جب علاحدہ طور پر ہر فن کی تدوین وتقسیم ہوئی تو فقہ عبادات ومعاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام کے لیے خاص ہو گیا۔

فقہ کا موضوع:

فعل مکلف ہے جس کے احکام سے اس عمل میں بحث ہوتی ہے۔

فقہ کی غرض وغایت:

سعادت الدارین سے سرفراز ہونا۔

علم فقہ کی عظمت:

فقہ کی عظمت واہمیت کا اندازہ درجہ ذیل قول سے ہوتا ہے:۔ **الفقہ اشرف العلوم قدراً و اعظمھا اجراً و اتمھا عائدة و اعمھا فائدة و اعلاھا رتبة یملاء العیون نوراً والقلوب سروراً والصدور انشراحاً** (الاشباہ والنظائر)۔علم فقہ تمام علوم میں قدرومنزلت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے اور اجر کے اعتبار سے بھی اس کا مرتبہ اونچا ہے۔علم فقہ اپنے مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے اور وہ آنکھوں کو نور اور جلا بخشتا ہے، دل کو سکون اور فرحت بخشتا ہے اور اس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی علیہ الرحمہ نے فقہ کی عظمت کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے: ”**و خیر**

العلوم علم فقه لانه یکون الی العلوم توسلاً فان فقیها واحداً متورعاً علی الف ذی زهد تفضل واعتلی، تفقه فان الفقه افضل قائد الی البر والتقویٰ، واسبح فی بحور الفوائد۔
(در مختار، ج ۱، ص ۲۸) تمام علوم میں قدر ومنزلت اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر علم ’’فقہ‘‘ ہے۔ اس لیے کہ علم فقہ تمام علوم تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ایک متقی فقیہ ہزار عابدوں سے بھاری ہوتا ہے۔ علم فقہ حاصل کرو کہ نیکی اور تقویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہر دن علم فقہ سے مستفید ہوتے رہو، اور اس کے سمندر میں غوطہ زنی کرتے رہو۔

علم فقہ جہاں ایک طرف قرآن، حدیث، اقوال صحابہ، اجتہادات فقہا، جزئیات وفروع، راجح و مرجوح اور امت کی واقعی ضروریات کے ادراک کے ساتھ زمانے کے بدلتے حالات کے تناظر میں دین کی روح کو ملحوظ رکھ کر تطبیق دینے کا نام ہے وہیں دوسری طرف طہارت و نظافت کے مسائل سے لے کر عبادات، معاملات، معاشرت، آداب واخلاق اور ان تمام چیزوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن کا تعلق حلت وحرمت اور اباحت وعلوم اباحت سے ہے۔ اور فتاویٰ کا میدان فقہ سے وسیع تر ہے، اس لیے کہ فتاویٰ میں ایمانیات، فرق وملل، تاریخ وسیرت، تصوف وسلوک، اخلاق وآداب، عبادات ومعاملات، معاشرت و سیاسیات کے ساتھ قدیم وجدید مسائل کا حل، اصولی وفروعی مسائل کی تشریح وتطبیق جیسے امور بھی شامل ہوتے ہیں گویا فقہ وفتاویٰ کو جو حیثیت واہمیت حاصل ہے وہ سورج سے بھی زیادہ روشن اور واضح ہے۔ یہ علم زندگی سے مربوط اور انسانی شب وروز سے متعلق وہم آہنگ ہے بلفظ دیگر اسلام کا نظام قانون بنیادی طور پر جن پاکیزہ عناصر سے مرکب ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اسلامی شریعت کے مرکزی مصادر و مآخذ ہیں۔ فقہ و فتاویٰ میں اسلامی نظام قانون، عدل و انصاف، توازن و اعتدال، جامعیت و افادیت، جیسی امتیازی صفات کے لیے بے پناہ گنجائش ہے۔ ان کی وسعت و گہرائی، سہولت پسندی، حیرت انگیز بے ساختگی، لچک اور انسانی فطرت سے ہم آہنگی تمام حقیقت پسندوں کے یہاں مسلم ہے جن کا دائرۂ

عمل پیدائش سے میراث تک اور عقائد سے لے کر معاملات وغیرہ امور تک محیط ہے۔

واضح رہے کہ فقہ وفتاویٰ سب سے مشکل اور اہم علم ہے، ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فقہا کرام فرماتے ہیں کہ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور فقیہ ہونا آخری زینہ ہے اور فرمایا گیا کہ چند سال درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے یا دو چار زوردار تقریر کر لینے کی وجہ سے آدمی فقیہ تو کیا فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا۔ چناں چہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ رقم طراز ہیں؛''حاکم شرعی، سلطانِ اسلام، یا ''قاضی مولی من قبلہ'' ہے، یا امورِ فقہ میں فقیہ بصیر، افقہ بلد، نہ آج کل کے عام مولوی، آج کل کے درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں بھی داخل نہیں ہوتا، نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسانی کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، ص ۹۹)۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں اگر کوئی شخص مذہب کی تمام کتابیں حفظ کر لے مگر کسی ماہر استاذ سے خاص اس باب میں شرف تلمذ حاصل نہ کیا تو اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہ ہوگا۔ خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **''ان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد و هذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها و قیودها التی کثیراً ما یسقطونها و لا یصرحون بها اعتماداً علی فهم المتفقة وکذا لا بد له من معرفة عرف زمانه و احوال اهله و التخرج فی ذالک علی استاذ ماهر ولذا قال فی آخر المفتی لو ان الرجل حفظ جمیع کتب اصحابنا لا بد ان یتلمذ للفتویٰ حتی یهتدی الیه''** (شرح عقود رسم المفتی، ص ۱۷۹) ترجمہ: بلا شبہ متقدمین نے مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ ہمارے زمانہ میں مفقود ہے تو کم از کم مفتی کے لیے اتنی شرط تو ہونی چاہیے کہ اس کو مسائل کی معرفت ان شرائط و قیود کے ساتھ ہو جنہیں فقہا اکثر حذف کر دیتے ہیں اور سمجھ والوں کی سمجھ پر اعتماد کرتے ہوئے ان قیود کو صراحۃً ذکر نہیں کرتے۔ یوں ہی مفتی کو اپنے زمانہ کے عرف و حالات سے بھی باخبر ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ کسی

ماہر استاذ کی نگرانی میں مشق وممارست بھی ہونی چاہیے یہی وجہ ہے کہ منیۃ کے آخر میں فرمایا ''اگر کوئی شخص اصحاب مذہب کی تمام کتابیں یاد کرلے جب بھی فتویٰ دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی ماہر استاذ سے شرف تلمذ حاصل کرے تاکہ اس کام کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے''۔

خود امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے بھی ماہر استاذ کی نگرانی میں برسوں تربیت افتا کی مشق حاصل کی ہے۔اس حقیقت کا اظہار انھوں نے ان الفاظ کے ذریعہ کیا ہے:

''ردوہابیہ'' اور ''افتا'' یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے ان میں بھی طبیب حاذق کی مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک طبیب حاذق کے مطب میں سات برس بیٹھا مجھے وہ دن، وہ جگہ، وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم کو بڑی کوشش وجانفشانی سے نکالا اور اس کی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کے حضور پیش کیا تو انھوں نے ایک جملہ ایسا فرمایا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہو گئے وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے۔ (الملفوظ حصہ اول، ص ۱۴۱)۔

فتاویٰ رضویہ میں حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تفصیل کے ساتھ یہ بیان فرمایا کہ سات سال تک فتویٰ لکھ کر میں والد گرامی کی خدمت میں پیش کرتا رہا اور جہاں ضرورت ہوتی وہ اصلاح فرما دیتے اس کے بعد مجھے اجازت دی کہ بغیر سنائے فتوے لکھ کر سائلوں کو دے دوں، آپ کے الفاظ یہ ہیں:

''مجھے چار دہم شعبان خیر وبشارت کو فتوے لکھنے پر مامور فرمایا جب کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجرت سے ۱۲۸۶ھ سال تھے اور اس وقت میری عمر کے چودہ برس پورے نہ ہوئے تھے حتیٰ کہ میری پیدائش ہجرت کے برسوں سے دہم شوال ۱۲۷۲ھ میں ہے تو میں نے فتویٰ دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہٗ اصلاح فرماتے سات برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتوے لکھوں اور بغیر حضور کو

سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک رحمن عزوجل نے حضرت والا کو سلخ ذی القعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلا یا۔ (فتاویٰ رضویہ مترجم، ج ا ص ۸۷،۸۸)

سطور بالا سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ فقہ و فتویٰ کا کام کتنا مشکل اور کس قدر اہم ہے۔ اس کے لیے وفور عالم کے ساتھ ماہر شیخ واستاذ کی نگرانی میں ایک لمبے عرصہ تک مشق و ممارست بھی ضرورت ہے بغیر اس کے اس میدان میں قدم رکھنا بہت بڑی جرأت و جسارت کا کام ہے۔

فقاہت فی الدین کے حصول کے لیے جن امور پر مہارت ضروری ہے، امام اہلسنت اعلی حضرت رضی اللہ عنہ فتاوی رضویہ مترجم ج ۱۶، ص: ۳۳۶ / ۳۳۷ پر بیان فرماتے ہیں۔

''فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا، کہ ان کی مادری زبان عربی ہے، بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ وضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم وتنقیح مناط ولحاظ انضباط ومواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہرہ ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل و معلل ووزن الفاظ مفتین وسبر مراتب ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق و مدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام، فہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے، اور حقیقۃ وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القا فرماتا ہے: ''وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ'' اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا''

یعنی امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرمارہے ہیں کہ کسی عربی عبارت کا لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام ''فقہ'' نہیں ہے، بلکہ ذکر کردہ تقریباً تیس امور کا لحاظ رکھتے ہوئے کلام کی مراد سمجھنے کا نام فقہ ہے۔ اور لحاظ تبھی ہو سکے گا، جبکہ

ان پر دسترس ہوگی، تو مطلب یہ ہوا کہ:" جسے ان امور پر دسترس ہوگی، وہی شخص درحقیقت فقیہ ہے۔ محض عربی عبارات کا ترجمہ کرنے کی مہارت ہونے سے بندہ فقیہ نہیں بنتا"

تفقہ اور تصوف کا امتزاج:

ایک فقیہ کا صوفی ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ،،من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف علم يتفقه فقد تزندق،، (مسند امام مالک) جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور علم شریعت سے بے بہرہ رہا اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں۔ اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرہ عمل میں آتے تھے۔

علامہ محب اللہ بہار ،،مسلم الثبوت،، میں تحریر فرماتے ہیں: ،،ان الفقه فی الزمان القديم كان متناولا ولالعلم الحقيقة وهى الالهيات من مباحث الذات وصفات وعلم الطريقة وهى مباحث المنجيات والمهلكات وعلم الشريعة الظاهرة،، زمانہ قدیم میں علم فقہ علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الھیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے، یونہی نجات بخش اور ھلاک آمیز چیزوں کے علم علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے۔

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا، اسی لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں، فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے فرماتے ہیں:"فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہ آخرت کی

گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو" (احیاء العلوم)

حضرت ملک العلماء کی فقاہت:

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال اور سامراجی طاقتوں کے تسلط کے بعد فقہ وفتاویٰ کا کام دینی مدارس اور ان سے متعلق علما انجام دیتے رہے۔ ماضی قریب میں فقہ وفتاویٰ کے سلسلہ میں مدراس کے علما و مفتیان کرام خصوصاً علامہ مفتی نقی علی خاں، علامہ فضل رسول بدایونی، علامہ عبدالقادر بدایونی، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا بریلوی، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا بریلوی رحمھم اللہ وغیرہم نے عظیم خدمات انجام دیں اور ان حضرات کے فقہ وفتاویٰ نے مسلمانان عالم برصغیر بلکہ عالم اسلام تک کو فائدہ پہنچایا۔

رئیس المحققین، سند المفسرین، ممتاز المحدثین، امام المتکلمین، سراج السالکین، زبدۃ العارفین، آفتاب رشد وہدایت، مخزن علم وحکمت، تاجدار سنیت، پاسبان مسلک اہلسنت بدر طریقت، وارث علوم اعلحضرت، افقہ الفقہاء، مصدر العلماء، شیخ الشیوخ حضرت علامہ مفتی الحاج سید محمد ظفر الدین بہاری قادری معروف بہ ملک العلماء نور اللہ مرقدہ وتغمدہ بغفرانہ ایک شہرئی آفاق شخصیت کے مالک ہیں آپ کا وجود مسعود خدا داد صلاحیتوں کا حامل، علم وفضل کا بحر ذخار، حکمت ودانائی کا پیکر مجسم، عجز وانکساری کا عملی نمونہ، زہد وورع کا جبل استقامت، احکام شرع کا جامع، اسرار معرفت کا مخزن اور محبت ومودت کی زندہ دلیل تھا۔ اور آپ کی ذات علوم کسبیہ اور علوم لدنیہ کا حسین سنگم تھی، گویا آپ اپنے عہد کے ممتاز عالم دین، اسلامی دانشور، تدبر آشنا فقیہ، ایک عظیم مفتی بلند پایہ محقق، بیباک مناظر، باکمال مدبر، لاجواب مفکر، باصلاحیت مصنف، ماہر مدرس، باعمل خطیب، فی البدیہہ شاعر، کئی زبانوں پر عبور رکھنے والے شاندار ادیب اور عالمی سطح پر جماعت اہل سنت کی قیادت وترجمانی کرنے والے ایک عالمی شہرت یافتہ عظیم رہبر ورہنما تھے۔ بچپن ہی سے آثار کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستان فکر کو اعلی حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا کی فضائے نو بہار میسر آگئی تو اسکی شادابی اور درخشانی میں مزید اضافہ ہوتا ہوا چلا گیا۔ آپ کی شان

یہ ہے آپ نے جس علم کے جس مسئلے خصوصا علم فقہ پر قلم اٹھایا اسے **الم نشرح** کر کے چھوڑا ہے۔ دلائل وبراہین کی وافر مقدار، مسائل جدیدہ کی تحقیقات کا انبار، تنقیحات وتشریحات کا استمرار، فقہی جزیات کا استحضار اور اس کا استعمال لگاتار آپ کو ایک علمی وفقہی شخصیت کا مقام دلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ کمیاب مقدار میں ایسی شخصیتیں گزری ہیں جو بیک وقت متعدد علوم کے بحر ذخار سے گوہر آب دار حاصل کر کے درجہ کمال پر فائز ہوئے ہوں لیکن اگر ہم ماہر ہر علم وفن حضور ملک العلماء کی شخصیت کو دیکھتے ہیں تو یہ ہمیں ان نامور شخصیات کی فہرست میں چمکتے دمکتے نظر آتے ہیں جنہوں نے دینی علوم کے سمندر میں غواصی کی ہے اور دنیاوی علوم کی وسیع تر فضاؤوں میں بھی شاہین کی سی بلند پرواز کی ہے خصوصاً علم فقہ میں آپ نے جو خامہ فرسائی کی ہے انہیں پڑھ کر سن کر سمجھ کر عوام تو عوام کیا ماہر علوم وفنون بھی انگشت بدانداں ہیں۔

ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بہ مدار الملک ومخاطب بہ ملک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

حضور ملک العلما محمد ظفر الدین رسول پور میجرا ضلع پٹنہ (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار میں ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ رمطابق ۱۹ راکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ خاندان کے لوگوں میں نام پر اختلاف رائے ہو کر ظفیر الدین پہ اتفاق ہوا، اور وہ عرصہ تک اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ جب وہ امام احمد رضا کے شاگرد ہوئے تو انھوں نے ظفیر الدین پر ظفر الدین کو ترجیح دی۔ رسالہ اقلیدس کا خطی نسخہ کتب خانہ خاص میں محفوظ ہے جو شعبان ۱۳۲۲ھ کا مکتوبہ ہے،

اس کے آخر میں بید الفقیر محمد ظفیر الدین لکھا ہوا ملتا ہے۔ ۱۳۲۳ھ کی ان کے قلم کی ایک تحریر میں ظفیر الدین احمد درج ہے۔ بعد کو وہ محمد ظفر الدین لکھتے رہے، اور اسی نام سے وہ مشہور ہوئے۔ ان کی کنیت ابو البرکات ہے۔ جیسا کہ معتدد استفتا کے جوابات اور ان کی مملوکہ کتابوں میں ثبت کی ہوئی مہر سے معلوم ہوتا ہے۔ بریلی شریف کے قیام کے دوران ان کی تحریروں میں کہیں کہیں عبید المصطفی کا اضافہ بھی نظر آتا ہے۔

ملک العلما چار سال کی عمر کے ہوئے تو ۱۳۰۷ھ میں ان کے والد ماجد نے ان کی تعلیم شروع کرادی۔ رسم بسم اللہ حضرت شاہ چاند صاحب کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی۔ ابتدائی تعلیم خود والد ماجد نے دی، پھر قرآن مجید اور اردو فارسی کی کتابیں اپنے گھر پر حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیر الدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں۔ ۱۳۱۲ھ سے اپنی نانیہال موضع ''بین'' میں کئی سال رہ کر مدرسہ ''غوثیہ حنفیہ'' میں تفسیر جلالین، میر زاہد وغیرہ تک کا درس لیا۔ اساتذہ ان کی ذہانت وشوق علمی کی وجہ سے ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سب یاد نہ کرنے کی وجہ سے اساتذہ ان سے ناخوش ہوئے ہوں۔ اس زمانہ میں عظیم آباد (پٹنہ) علم وفن کا مرکز تھا جہاں متعدد دینی مدارس قائم تھے۔ جن میں مدرسہ حنفیہ واقع بخشی محلّہ پٹنہ سٹی ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس مدرسہ کے بانی فارسی واردو کے مشہور محقق قاضی عبد الودود بی اے، کینٹب، بارایٹ لا (۱۸۹۶ء-۱۹۸۴ء) کے والد گرامی قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی (۱۲۸۹-۱۳۲۶ھ) تھے، جو وہاں کے ایک دین دار رئیس اور فاضل بریلوی کے معتقدین میں تھے۔ انھوں نے ۱۳۱۸ھ میں یہ دینی درسگاہ قائم کی اور ایک بڑی جائیداد اس کے اخراجات کے لیے وقف کردی۔ انھوں نے نامور اساتذہ کی خدمات حاصل کیں، اور کچھ ہی عرصہ کے بعد اس کی شہرت بہار کے قصبات ومواضع تک ہی نہیں دوسرے صوبوں تک پھیل گئی۔

اسی مدرسے کے ایک استاذ حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی متوفی ۱۳۳۴ھ کی علمی شہرت سن کر مولانا ۲۵ / جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ کو مدرسہ حنفیہ بین سے مدرسہ ''حنفیہ پٹنہ'' آ گئے، جہاں انھوں نے مسند امام اعظم، مشکوۃ شریف اور ملا جلال پڑھی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد محدث صاحب بوجہ علالت اوائل شعبان میں مدرسہ حنفیہ سے کنارہ کش ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے، تو ماہ شوال ۱۳۲۰ھ کو مولانا ظفر الدین اپنے ہم سبق حکیم ابوالحسن کے ساتھ دارالعلوم کان پور پہنچے۔ ان کی بعض تحریرات سے جو خاندان میں محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں اور سامان کے ساتھ سفر کا کچھ حصہ انھوں نے پیدل چل کر طے کیا۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے، لیکن طلب وشوق میں راہ علم کا مسافر آگے ہی بڑھتا رہا۔ انھوں نے مدرسہ امداد العلوم بانس منڈی کان پور میں مولانا قاضی عبدالرزاق متوفی ۱۹۴۶ء مرید حضرت حاجی امداد اللہ

مکی وشاگرد مولانا احمد حسن کانپوری کے سلسلہ تلامذہ میں داخل ہوکر درس لینا شروع کیا۔ مدرسہ امداد العلوم کے علاوہ بعض اسباق مدرسہ احسن المدارس اور بعض دار العلوم میں پڑھتے رہے، گویا کان پور کے تینوں مدارس کے اساتذہ سے انھوں نے علمی فیوض حاصل کیے۔ وہاں کے مشہور استاذ مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳/صفر ۱۳۲۲ھ سے منطق کی کتابیں پڑھیں۔ اور مولانا شاہ عبید اللہ پنجابی کانپوری متوفی ۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ سے ہدایہ آخرین ختم کی۔ پھر کان پور سے پیلی بھیت جہاں محدث سورتی پٹنہ سے واپس آکر اپنے قائم کردہ دارالحدیث میں درس دینے لگے تھے، پہنچے اور وہاں ان سے حدیث کا درس لیا۔

اس کے بعد خوب سے خوب تر کی تلاش انھیں بریلی شریف اعلیٰ حضرت امام اہل سنّت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ (۱۲۷۲۔ ۱۳۴۰ھ) تک لے گئی۔ جن کے علم اور قلم کی طاقت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں ان سے مل کر بہت متأثر ہوئے، وہ ان سے فیض اٹھانا چاہتے تھے۔ اور ان کے علم سے متمتع ہونا چاہتے تھے، اور درسیات کی تکمیل بھی۔ لیکن فاضل بریلوی ہمہ وقت مطالعہ اور تالیف وتصنیف میں مشغول رہتے تھے، ان کے یہاں نہ باقاعدہ درس وتدریس کا کوئی سلسلہ تھا، اور نہ اس وقت کوئی مدرسہ قائم تھا۔ حضور ملک العلما، اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی (۱۲۷۶۔ ۱۳۲۶ھ) بڑے صاحب زادے مولانا حامد رضا خان (۱۲۹۱۔ ۱۳۶۲ھ) مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی اور دوسرے اصحاب سے ملے اور ان لوگوں کے مشورے اور مساعی سے ایک مدرسہ قائم کرنے کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ ملک العلما فرماتے تھے کہ مدرسہ کے قیام میں حضرت مولانا حسن رضا خاں اور مولانا سید محمد امیر اللہ کی مساعی کو بہت دخل ہے۔ اور یہ مدرسہ انھیں کی کوششوں سے قائم ہوا۔ یوں ۱۹۰۴ء/ ۱۳۲۲ھ میں مدرسہ منظر اسلام محلّہ سوداگران بریلی میں قائم ہوا۔ یہ تاریخی نام ہے۔ اس سے ۱۳۲۲ھ کے اعداد مستخرج ہوتے ہیں۔ مولانا حسن رضا خاں اس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔ مولانا ظفر الدین کے ایک دوست اور ہم وطن مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی بھی آ گئے تھے۔ صرف انہی دو طالب علموں سے مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ اور امام احمد رضا نے بخاری شریف شروع

کرائی۔اب ملک العلما نے بہار خطوط لکھ کر مدرسہ کے قیام کی اطلاع دی، اور دوستوں کو بھی بریلی بلالیا۔

آپ نے امام اہلسنت امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے صحیح بخاری شریف پڑھنی، اور فتویٰ نویسی سیکھنی شروع کی۔انھوں نے اعلیٰ حضرت کے کچھ فتاوے جنھیں ظاہراً وہ املا کرادیتے تھے، ایک مجموعہ میں جمع کرنا شروع کیے تھے جس کے کچھ اوراق اس وقت پیش نظر ہیں۔ اس میں پہلا فتویٰ ۸ /رمضان ۱۳۲۲ھ کا تحریر کردہ ہے۔ بعد کو جب مدرسے میں کچھ جید علما اور مستند مدرسین کی خدمات حاصل کی گئیں، تو انھوں نے مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رام پوری، مولانا سید بشیر احمد علی گڑھی سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف اور دوسری کتب درسیات کی تکمیل کی۔ اعلیٰ حضرت سے انھوں نے صحیح بخاری، اقلیدس کے چھ مقالے تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی تمام کر کے علم ہیئت ریاضی، توقیت، و تکسیر وغیرہ فنون حاصل کیے۔ تصوف کی کتابوں میں ان سے عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا درس بھی لیا۔ان اسباق میں طلبہ کے علاوہ علما کی جماعت بھی شریک ہوئی تھی۔

ماہ شعبان ۱۳۲۵ھ کی کسی تاریخ کو علما کے ایک بڑے مجمع میں فاضل بریلوی کی درخواست پر چشتی مشرب کے مشہور بزرگ شیخ العالم حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولوی قدس سرہ العزیز کی بارگاہ کے سجادہ نشیں حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہ نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی، اور سلاسل عالیہ کی اجازت و خلافت عطا فرمائی، اور ملک العلما فاضل بہار، کا خطاب ملا۔

حضور ملک العلما کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی مدرسہ منظر اسلام بریلی ہی سے ہوا جہاں ان کی تعلیم کی تکمیل ہوئی۔تقریباً چار سال تک وہ وہاں درس دیتے رہے، اور فاضل بریلوی کی ہدایت پر فتاویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اس زمانہ میں جو فتاوے انھوں نے لکھے ان میں سے کچھ کی نقلیں نافع البشر فی فتاویٰ ظفر میں موجود ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار وطلب اور اعلیٰ حضرت کے حکم پر عالم وخطیب کی حیثیت سے وہ شملہ گئے۔ اگلے سال مولانا عبدالوہاب الہ بادی نے اپنے قائم کردہ مدرسہ "حنفیہ" کے لیے جو آرا ضلع شاہ آباد بہار میں قائم ہوا تھا، اعلیٰ حضرت کو لکھا کہ وہ مولانا ظفر الدین کو صدر مدرس کا عہدہ پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ انھیں آمادہ کریں، اعلیٰ حضرت نے صرف اس خیال سے کہ نئے

دینی مدارس کا قیام اور اس کی ترقی بھی ضروری ہے، وہاں جانے کی اجازت دے دی۔ اس طرح وہ منظر اسلام بریلی سے مدرسہ حنفیہ آرا ضلع شاہ آباد بہار تشریف لے گئے۔ جہاں وہ کئی سال اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ/ مطابق ۱۹۱۲ء میں عظیم آباد میں مسٹر سید نور الہدیٰ ڈسٹرکٹ سیشن جج نے اپنے والد ماجد سید شمس الہدیٰ کے نام پر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی، قائم کیا، تو اس میں بحیثیت مدرس اول ان کا تقرر عمل میں آیا، جہاں وہ تفسیر وحدیث وفقہ کا درس دینے لگے۔ ۱۳۳۴ھ، ۱۹۱۶ء میں سید شاہ ملیح الدین احمد سجادہ نشیں خانقاہ کبیر یہ سہسرام کی فرمائش پر وہ صدر مدرس ہوکر سہسرام ضلع شاہ آباد بہار چلے گئے، جہاں وہ پانچ چھ سال مقیم رہے۔ ۱۳۳۸ـ۱۹۲۱ء میں جب مسٹر سید نور الہدیٰ مرحوم ومغفور نے مدرسہ اسلامہ شمس الہدی کو حکومت بہار کے انتظام میں دے دیا اور حکومت نے مدرسہ کا نظام اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی تنظیم جدید کی اور نئے تقررات کیے، تو مولانا ظفر الدین قادری وہاں سینئر مدرس ہوکر آ گئے۔ ۱۹۴۸ء میں وہ پرنسپل کے عہدے پر سرفراز ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں تقریباً تیس سال علمی خدمات انجام دے کر انھوں نے سبکدوشی حاصل کی۔

حضور ملک العلماء کے مربّی اور مرشد اعلی حضرت امام احمد رضا کا یہ خاص رنگ تھا جو آپ کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا حضور ملک العلماء نے اس بارگاہ سے فیض کا وافر حصہ لیا ہے، اس لیے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے گویا آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جوہر اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ آپ نے تقریباً پچپن سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمایائے۔

رسائل ملک العلماء:

مواہب ارواح القدوس لکشف حکم العروس (۱۳۲۲ھ)، اعلام الساجد بصرف جلود الأضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)، التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)، بسط الراحۃ فی حظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)، الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)، رفع الخلاف من بین

الاحناف (۱۳۳۲ھ)، القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)، تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)، نہایۃ المنتہیٰ فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ)، تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ)، نافع البشر فی فتاوی ظفر (۱۳۴۹ھ)، نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)، جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)، عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)، تنویر المصباح للقیام عندحی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں بشکل رسائل فقہ وافتاء کے موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضور ملک العلما کی خودنوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گراں قدر تحریریں آپ کی عبقریت پر شاہد ہیں، کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر آپ ہر قدم پر مخلص امت، مصلح امت، پرسوز داعی، خداترس، بندہ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دروں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آتے ہیں، آپ کے یہاں حرص وآز کا گزر نہیں، قناعت پسندی شیوہ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر میں سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے، ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کردیتے، آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بیزار ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو آپ کی ہی تحریر شدہ رسالہ مبارکہ "**تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب**" کا مطالعہ کریں، اسی طرح "**ہادی الہداۃ لترک الموالات**" (۱۳۳۹ھ) اور "**سد الفرار لمہاجری بہار**" (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

راقم الحروف یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہے جس سے حضور ملک العلماء کے سوز دروں اور خیر خواہ امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"لا یالونکم خبالا" کی تصدیق دیکھیے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری، بظاہر ترک اضحیۃ بقر کی خاستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت احکام خدا کی تعمیل میں توانائی (سستی) ومساہلت ہر

ایک کے پیش نظر ہے۔آج جب روپئے ڈیڑھ روپئے میں واجب اضحیۃ ادا ہوجاتا ہے جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے نہیں کرتے پھر جب چھ سات روپئے صرف ہونے لگیں گے سیکڑے ستر (۷۰) اسی (۸۰) اس ثواب سے محروم رہا کریں گے بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت جس کام کو چاہیں گے بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق واتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلانا، صرف اپنا الوسیدھا کرنے گاؤکشی ترک کرانے کے لئے ہے اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰/ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤکشی پر مسلمانوں کا شکوہ،، ہے ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے انسداد گاؤکشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کرلیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔غرض انکی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے اسلام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو مظالم ہوتے آئے ہیں خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد وکٹارپور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے،،

نیز آپ کی تصانیف کی لمبی فہرست سے ہی اپ کی علمی وفکری وسعت کا اندازہ بھی ہوتا ہے حضرت ساحل سہسرامی دام مجدہ نافع البشر کے مقدمہ میں حضرت کی وسعت نگاہ سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں انہیں کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

''احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاوی (نافع البشر) کے ماخذ کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں ان میں تقریبا تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریبا ڈیڑھ سو فقہی کتابیں ہیں،،

فتاوی کے دوران جب آپ تفسیر وحدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں اسکی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں، کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ

"فمن شهد منكم الشهر،، کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

,,فمن شهد منكم الشهر فليصمه،، کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں قلم بند ہوتے ہیں۔

(١) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم یكن مسافر افلیصمه،، یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہوتو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔

(٢) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهدمنكم هلال شهر فلیصمه،، یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "وتیقن به،، یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شهدت الهلال نہیں کہتے بلکہ شاهدت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو صرف آپ کے فتاوی ہی میں ملتے ہیں، ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں مثلاً تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

دوسری حدیث میں ہے: "من یبنی لله مسجدا،، جو شخص خدا کے لیے مسجد بنائے وفی روایة ولو کمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی وفی روایة او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی روایة یذکر الله عز وجل فیه تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرار کہ تفریق بین المسلمین اور تقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنی الله له بیتا فی الجنة اللہ اس کے لیے گھر جنت میں بنائے گا فی

روایۃ من درر ویاقوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجہ وابن حبان وسیدنا ابو حنیفۃ وابن خزیمۃ والبزار فی مسندہ والطبرانی فی الصغیر والترمذی وھو فی الکبیر والاوسط وابن عدی والنسائی عن سیدنا عثمان وعمر وجابر بن عبداللہ وابی ذر وانس بن مالک وابی امامۃ وابی ھریرۃ واسماء بنت الصدیق وعمرو بن عنبسۃ رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین۔

حضور ملک العلماء کے فتاوی میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں جو آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں آپ کے فتاوی میں شامل فقہی رسائل "تنویر المصباح،، "نصرۃ الاصحاب،، "اعلام الساجد،، میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جاسکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جاسکتی ہے فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے.

آداب افتاء کی رعایت:

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہاء اور کتب فقہ کے مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضور ملک العلماء آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے تھے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھر پور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے اس کی بہت سی نظیری آپ کے فتاوی میں مل جائیں گے میں یہاں صرف ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقتدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟ حضور اعلی حضرت امام احمد رضا نے جواب مرحمت فرمایا: ,,یہ صورت مکروہ ہے،، حوالے پیش فرمائے وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استفتاء ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا ان کا جواب تھا: "پانچ انگلبلند ہو تو کچھ حرج نہیں،، انہوں نے بھی حوالے پیش کئے علت بیان کی۔

مستفتی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضور ملک العلماء کی خدمت میں پیش کئے حضور ملک

العلماء نے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھر پور تعاقب کیا۔ راقم الحروف طوالت سے بچنے کیلئے حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل ۔۔۔۔فتاوی عالمگیر یہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایہ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتاء متعین اور اس کے خلاف پر فتوی دینا جہل وخروش اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول متع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے اختیار فرمائی ہے۔

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علماء نے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتوی لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایہ پر عمل کرنا، کیونکہ اس کے خلاف پر افتاء جہالت ونادانی وخرق اجماع ہے۔

ثانیاً: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابوداؤد وحاکم وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثاً: تصحیح اور فتوی جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: یکرہ ان یقوم فی مکان اعلی من مقام القوم اذالم یکن بعض القوم معہ۔ تو اس سے عدول محض جہالت ونادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا مرجوع عنہ ہوتا ہے اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتوی دینا سوائے مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرھما کے خلاف دیانت وعقل ہے۔

خامسا: آپ کا فرمانا اذا تعارضا اماماں الخ ۔۔محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس درمختار سے اپ سند لائے اس میں ہی مرقوم ہے: ۔۔۔۔۔

یعنی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتاء کے بعض الفاظ بعض سے اقوی ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقوی ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا،،۔

سادسا: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا کمال فی الدر۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، **فافهم**۔صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جب آپ اعتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔اس شخص کے جس کے گلے میں علمائے عرب وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں جو مابین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو قیل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟ اگر اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو تو چشم ماروشن دل ماشاد کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقائد بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر ۲ بننا ہے۔جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظرہ ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہیے یا بالاخفاء؟ تو ہر ادنی عقل والا بھی کہے گا کہ ارے مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منہ کھولنا۔اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟۔ع شرم بادت از خدا واز رسول۔

ایسے جاہل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے تو اس سے فتاوی عالمگیریہ "اذاتعارضا اما مان، درالمختار، حررہ العبدمحمد ابراہیم سنی حنفی چشتی رشیدی،، لکھنے کی کیا شکایت ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے،،

اسی طرح رسم المفتی کے خلاف ورزی پر قاضی لطف اللہ صاحب رامپوری کی حضور ملک العلماء نے جو علمی گرفت فرمائی ہے وہ قابل دید ہے ۱۳۲۳ھ میں مولانا عبدالشکور صاحب نے دیہات میں نماز جمعہ کے جواز عدم جواز سے متعلق ایک استفتاء قاضی صاحب کے جواب کے ساتھ حضور ملک العلماء کی بارگاہ میں پیش کیا قاضی

صاحب کا جواب ردالمحتار کے حوالے سے غیر ظاہر الروایۃ کی روشنی میں جواز کا ہے۔اس پر حضور ملک العلماء نے جوفتوی تحریر فرمایا ہے اور آداب افتا کی خلاف ورزی پر جو تنبیہ کی ہے انہیں کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

’’فی الواقع نماز جمعہ نزدیک سادات حنفیہ **خصهم الله تعالى باللطف العام** کے دیہات میں درست نہیں۔اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔مگر تعریف مصر غیر ظاہر الروایۃ وغیر معتمد کو اختیار کرنا فقاہت سے ازبس دور، حسب اقرار خود وتصریح علماء کرام علماء ’’ظاہر الروایة له امير وقاضى يقدرعلى اقامة الحدود كمافى الهندية والظهيرية والخانية وغاية والبحر والدر المختار وغيرهامن معتمدات الاسفار،، علماء نے غیر ظاہر الروایۃ پر فتوی دینے کو جہالت و نادانی اور خرق اجماع فرمایا ہے۔

بحرالرائق میں ہے:’’ماخرج عن ظاهر الرواية فهو مرفوع عنه،،درمختار میں ہے ’’ان الحكم والفتيابالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع اقول فكيف بالافتاء بالمرجوع فيه،،

بلکہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اور انفع الوسائل میں علامہ طرطوسی سے نقل کیا ہے ’’المقلد لايجوز له ان يحكم الابماهو ظاهر الرواية،،اس پر اکثر فقہاء کا فتوی ہونا اور والوجیہ میں صحیح کہنا اس تعریف کے اختیار کرنے کی وجہ نہیں ہوسکتی ہے کہ تعریف کل موضع الخ پر بھی اکثر فقہاء ہیں كما فى العناية وعلى هذا شارح منيه نے اس کی بھی تصریح فرمائی ہے پس جبکہ تصحیح فتوی مختلف ہوئی تو ترجیح ظاہر الروایۃ کی ہوگی۔

بحرالرائق میں ہے’’الفتوى اذا اختلف كان الترجيح لظاهر الرواية،،اسی میں ہے ’’اذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع اليها على هذا توالى فى الاحكام،،کو وجہ اس روایت کی گردانا بھی بعد غور معلوم ہوسکتا ہے کہ کس درجہ ضعیف ہے کہ تعریف ظاہر الروایۃ میں ’’يقدر على اقامة الحدود،، ہے نہ کہ يقيم الحدود بالجملہ وجہ اختیار اس تعریف کی کوئی نہیں۔وجوہ مذکورہ یا مشترک یا مردود (اولاً غیر ظاہر الروایۃ ہونا۔ثانیاً اس تعریف کی رو سے مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ جہاں زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ قائم ہے، کا مصریت سے خارج

ہونا) موجود۔

غنیّۃ میں ہے" والفصل فی ذلک ان مکۃ والمدینۃ مصر ان تقام بھماالجمعۃ من زمنہ علیہ السلام الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھمافھو مصر وکل تفسیر لایصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ المتاخرین کصاحب المختار والوقایۃ وغیرھماوھو مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض بھمااذمسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ فلایعتبر ھذاالتعریف،، (غنیہ شرح منیہ المصلی، ص ۵۰۰) اور سبب اختیار موضع لہ امیر قاضی الخ ظاہر وبین ولہذا اسی کا اختیار انسب واللہ تعالیٰ اعلم (نافع البشر ص ۱۳۶، ۱۳۷)

طبقات فقہائے احناف سے متعلق رسالہ مبارک ''عید کا چاند،، میں رقمطراز ہیں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اور ایک جگہ کی رویت تمام اقالیم کے لئے لازم ہوگی بشرط ثبوت بطریق موجب ہوجائے یہی مذہب عام احناف کا ہے یہی ظاہر المذہب ظاہر الروایۃ ہے یعنی ان مسائل سے ہے جو اصحاب مذہب یعنی امام اعظم ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد سے مروی ہے تو اس کو ماننا اور حنفی عالم کو اسی پر فتویٰ دینا ضروری ہے۔

مزید آپ کی عظیم فقاہت پر فتاوی ملک العلماء سے چند نکات اخذ کر کے چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلماء کی بارگاہ میں۔ یہ سوال تو دستیاب نہ ہوسکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات تھی جواب میں حضور ملک العلماء نے جس جزئیات نگاری ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتوی حضرت کی فقاہت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعے سے ہی اٹھایا جاسکتا ہے میں یہاں اکیس نکات پر پھیلے ہوئے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور

اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے وہی امام ہوگا غیر مقلدین بدمذہب ہیں اور بدمذہب کی توقیر حرام، اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جاسکتا۔ بدمذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جاسکتا ہے؟ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

''غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آجائیں سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چندروز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا،،

غیر مقلد امام نے وقف کے استحقاق عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کردی:

''غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ یہود و مجوسی و روافض وغیرہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبادت کرے، ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟،،۔

گفتگو آگے بڑھتی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے ''ان کی آمد سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے، اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی،،۔ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں رقم طراز ہیں:

''غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی ان کے نمازی سنی حنفی ان کے آباد کرنے والے کثیر و وافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

(۱) یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت و اقوال و افعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں

اور مسجدیں ویران ہوکر جیل آباد ہوں۔

(۲) یا حنفیہ اپنی عزت اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں وہی ظالم ہے اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں،،۔اس سے نرالی توجیہ ایک ہندوستانی قانون کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

’’شارع عام اور اسی طرح سر راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں نہ مسلمانوں کی نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حق دار ہے۔بایں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلی نظیر قائم کرتا ہے غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا امر مذہبی ہے تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آکر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہوکر فتنہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خود لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہوکر فساد ہوگا مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضروری نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرارداده مذبحوں میں ادا کر سکتے ہیں تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضروری نہیں۔اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کیے جائیں جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں معدود مواضع مقرر کردیئے جائیں حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بنا پر فرض کرلیا جائے دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انھیں کا حق ان میں مقدم ہے غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے۔

اخیر میں دو اور عقلی رد لکھتے ہوئے جواب مکمل فرماتے ہیں چونکہ یہ دونوں شقیں بھی خالص منطقی ہیں اور

تفقہ کی چاشنی سے لبریز اس لئے ان کے اقتباسات ذرا طویل ہونے کے باوجود پیش کرتا ہوں حضور ملک العلماء رقمطراز ہیں:

ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔۔۔۔۔تو غیر مقلدین حقیقتاً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے دھوکا دینے کے لیے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعوی کرنا خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذادہی وآزار رسانی وبد نیتی ہے۔کوئی استحقاق کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعوی کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں ہمیں ان میں پوجا پاٹ کی اجازت ملے حالانکہ یہ دعوی صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعوی دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لیے کرنا سوائے بدنیتی وآزار رسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ ایسے ناجائز فاسد المبنی دعوی قابل سماعت نہیں ہوتے لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں بلکہ اس قدر تو یقیناً معلوم جس سے کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بدمذہب وگمراہ ہے اس کے ثبوت کے لیے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہوچکیں کافی ہیں بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ بددین کہتا لکھتا اور چھاپتا ہے اب دو حال سے خالی نہیں یا تو تم فی الواقع گمراہ ہو تو مطلب حاصل، یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے وہ گمراہ ہے اب یا تو تم ہمیں ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں، اور اگر ہاں تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ بددین ہو یہ بھی حق ہوا بہرحال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ

ہم سے دور رہو ہماری نماز میں شرکت نہ کرو اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

مذکورہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے وہیں آپ کی ظرافت ملیح اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا آئینہ دار اور ذہن عالی کی براقی اور جزئیات نگاری پر گرفت بھی پوری طرح نمایاں ہے۔اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے وہ دیکھنے کی چیز ہے آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں (وہ مسکت بخش تردیدی جواب اور فیصلے فتاوی ملک العلما میں ملاحظہ کریں)

یوں ہی ,,کھڑکی کا فیصلہ،، میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مثل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ رہنمائی فرمائی ہے وہ آپ کی تدبر آشنا اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔(ملاحظہ کریں ملک العلما کی فقہی بصیرت)

آپ کے فتاوی میں اعلیٰ حضرت کا فقہی رنگ:

حضور ملک العلماء کا رسالہ مبارکہ ”**اعلام الساجد بصرف جلود الأضحیة فی المساجد**،، میں بالکل اعلی حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے، وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر در کثیر حوالہ جات، وہی استنباطی رنگ۔راقم الحروف اس رسالہ کا صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں ہے۔عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”عبارت ھذا،، تحریر بالا کی روشن دلیل ہے اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع جزیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ ادنی تامل سے نکال سکتا ہے مگر تعمیم نفع کے لیے ایک ضابطہ وقاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواحِ طیبہ اساتذہ کرام ومشائخ عظام خصھم اللہ العلا باللطف العام سے فائض ہوا جس

سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔وماتوفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

''ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔کماقدمناعن الھندیة عن المحیط۔اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں دینی ہوگا یا دنیاوی اول ہر طرح جائز ہے عین سے ہو بدل سے،لمامر من قوله ویتصدق بجلدھا وقوله ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھاجاز لانه قربة کالتصدق۔ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بعینہ ہوگا یا بدلہ اول مطلقا جائز ہے لمافی غرر الاحکام ,,اویجعله آلة کجراب وخف وفروا،،اھ وفی الخانیة,,ولاباس بان یتخذ من جلده الاضحیة فروا اوبساطا اومتکئا یجلس علیه،،اھ وفی الکافی والھدایة,,اویعمل منه آلة تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا،،اھ کالدلو والسفرة والقرب عینی۔ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یا نہیں اول ناجائز ہے تکملہ بحر الرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے:ولا یبیعه بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسه وعیاله،،

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا مستہلک ہوگا یا غیر مستہلک ،اول ناجائز ہے۔لمافی الھدایة والتبیین والکافی والطحاوی وخزانة المفتیین:,,ولایشتری به مالا ینتفع به الابعداستھلاکه کالخل والابازیر اعتبار ابالبیع بالدراھم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول۔

ثانی جائز ہے۔لمافی الھدایة وشرح الکنز لملامسکین والکافی والتبیین والطحاوی وخزانة المفتیین:ولاباس بان یشتری به ماینتفع بعینه فی البیت مع بقائه استحسانا،،

یا یوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کو اپنے صرف میں لائے گا یا غیر کے، عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہو یا غیر معین جیسے رفاہ عام،ثانی ہر طرح جائز ہے اور اپنے صرف میں لانے کی چار صورتیں ہیں دو جائز دو ناجائز (۱) اس کی کوئی چیز بنائے (۲) اس سے کوئی غیر مستہلک چیز بدلے تو جائز ہے (۳) اور اگر روپیوں سے بیچا (۴) کوئی مستہلک چیز خریدی تو ناجائز وممنوع۔وقد مضت الادلة آنفا۔،،

ایک اور فتوی کے چند اقتباسات حوالوں کی عبارت حذف کر کے پیش کرتا ہوں جنہیں پڑھ کر یقیناً

آپ محسوس کریں گے کہ ایک کثیر الاذیال، مغلق و پیچیدہ سوال کے جواب میں آپ نے سوال کے سبھی بہتر ممکنہ صورتوں کو اجاگر فرمانے کے بعد جس طرح ہر ایک کا جامع و مختصر جواب تحریر فرمایا ہے اس سے صرف آپ کی دقیقہ رسی و جزئیات نگاری ہی واضح نہیں ہوتی بلکہ آپ ہمیں حکم شرعی کے اخذ کے لئے اصل کلی بھی عطا فرمارہے ہیں۔

سوال ہے: (۱) فرائض خمسہ و نماز عیدین و جمعہ و نوافل میں بعد قراۃ فاتحہ کتاب کے ایک ہی رکعت میں ضم سورہ میں ایک ہی سورہ کو دو بار یا تین بار درمیان میں رک جانے کی وجہ سے یا بغیر رک جانے کے عمدا یا سہوا پڑھنے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ (۲) اور بر تقدیر سہو، سجدہ سہو لازم ہے کہ نہیں؟ اگر لازم ہوا اور نہ کیا گیا تو کیا حکم ہے؟ (۳) اور ان سبھوں میں تکرار سورہ خاص موجب تاخیر رکن کا ہوا کہ نہیں؟ اگر اس سے تاخیر رکن ہوئی تو ترک واجب ہوا یا نہیں؟ (۴) اور لزوم سجدہ سہو میں سب نمازوں کا حکم مساوی ہے یا عیدین اور جمعہ کے لیے کوئی حکم مخصوص ہے؟ (۵) اور ان سب نمازوں میں سورہ فاتحہ مکرر عمدا یا سہوا پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟ (۶) اور سب نمازوں میں سورہ فاتحہ کی تکرار اور ضم سورہ کی تکرار دونوں برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب یہ ہے آپ کا سوال کثیر الاذیال چند مسائل کو شامل اور متعدد صورتوں کو مشتمل۔ بعد قرات فاتحہ ایک ہی رکعت میں سورت دو یا چند بار رک جانے کی وجہ سے پڑھی یا بے رکے، بر تقدیر ثانی عمداً یا سہواً فان التکرار لاجل الحصر انما یکون عمداً تو یہ تین صورتیں ہیں پھر ان میں ہر ایک فرائض میں ہوگی جن میں جمعہ بھی شامل یا واجبات میں کہ وتر وعیدین کو مشتمل یا سنن موکدہ میں کہ تراویح وغیرہ کو متناول یا نفل مطلق میں یہ چار ہوئیں اور بلحاظ انقسام بہ منفرد و امام ولا ثالث لھما لان المقتدی لاحظ له فی قراۃ۔ واز آنجا کہ جمعہ وعیدین میں انفراد نامتصور یہ چار بحق امام چھ کی طرف منحل ہوں گی۔ خمسہ، جمعہ، عیدین، وتر، سنن ونوافل اور بحق منفرد چار ہی رہیں گی اور مجموعہ تیس صورتیں ہوں گی کما لایخفی ان سب کا حکم مجمل یہ ہے کہ صور مذکورہ میں سہواً کچھ نہیں اور عمداً غیر فرائض میں منفرد کو مطلقا جائز۔ ہاں اس کے سبب یہ رکعت اپنی پہلی سے طول فاحش پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی اور امام کو مطلقاً ناجائز

جب کہ مقتدیوں پر ثقیل کرے۔ رہے فرائض ان میں نفس کراہت علی الاطلاق ہے اور تطویل ہو تو دوہری کراہت اور ثقیل ہو تو امام کے حق میں معصیت عالمگیریہ میں فرمایا: اذا کرر آیۃ واحدۃ الخ

''باقی احکام کے نقول آئندہ آتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان میں کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں فرائض میں عمداً ہوا تو صرف کراہت ہے اور عمداً میں سجدہ سہو نہیں اور سہو پر صاف فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ترک واجب ہوتا تو حرج ضرور تھا نماز میں قصور تھا جس کی جبر و تلافی کو سجدہ لازم تھا۔ ضم سورت میں تکرار سورت موجب تاخیر رکن نہیں کہ سورت بتکرار سورت ہی رہے گی نہ کہ کوئی اور صورت اور قرآن عظیم جتنا پڑھا جائے قرآن ہی ہے نہ کہ فصل بالاجنبی جو مستلزم تاخیر رکوع ہو ولہذا علماء کرام نے تصریح فرمائی کے اگر بعد فاتحہ چند سورتوں کو جمع کر کے پڑھے یا سورت کے بعد پھر سورہ فاتحہ پڑھے تب بھی کچھ واجب نہیں کہ قراۃ اولیٰ کے متصل ہی رکوع ضرور نہیں کماسیاتی تصریحہ من العلامۃ الشامی قدس سرہٗ السامی تمام نمازوں میں سہو کا ایک ہی حکم ہے مگر مشائخ کرام نے جمعہ وعیدین میں (کہ عادت ان کی جماعت بڑی ہوتی ہے مجمع عام، عوام وخواص ہوتا ہے) فتنہ وتشویش بے علماں کے خیال سے سجدہ سہو ساقط جانا عالمگیریہ میں مضمرات اور نیز محیط سے ہے السھو فی الجمعۃ۔۔۔۔ الخ

سورہ فاتحہ مکرر ہونے کی بھی متعدد صورتیں ہیں کہ تکرار صرف قبل سورۃ کئی بار پڑھنے سے کوئی یا صرف بعد یا یوں کہ قبل و بعد دونوں جگہ تلاوت کی اور بہر حال عمدا یا سہوا یہ چھ صورتیں ہیں۔ پھر تکرار کسی رکعت غیر لازمۃ القراۃ میں ہوگی کہ خمس غیر الفجر کی ماعدا الاولین ہے۔ یالازمۃ القراۃ میں کہ مذکورہ کے سوا جملہ رکعت فرائض و واجبات وسنن ونوافل ہیں پھر بلحاظ انقسام بمنفرد وامام اس تقسیم اخیر کی قسم اول بارہ اور اخیر ازآنجا کہ حق امام میں نمازیں چھ اور حق منفرد میں چار ہیں کما تقدم ساٹھ، جملہ بہتر صورت ہوگی کما لا یخفی علی متعلم ذھین فضلا عن فاضل مثلکم فطین ان بارہ میں تکرار مطلقا موجب سجدہ سہو نہیں۔ شرح منیہ میں ہے وقید بالاولین۔۔۔۔ الخ

ہاں قصدا ہو تو تکرار دو صورت جن میں بعد سورۃ قراۃ فاتحہ ہے مطلقا ممنوع کہ عکس ترتیب ہے اور صورت اولی امام کے لئے مکروہ تحریمی جب کہ مقتدیوں پر ثقیل ہو۔

اوران ساٹھ میں اگر عمداً ہوتو مطلقا ناجائز و گناہ مگر دو صورت اخیر میں تکرار فاتحہ قبل سورت نہیں صرف ممانعت ہے لترل واجب القراۃ نماز کی حاجت نہیں لعدم ترل واجب الصلوۃ اورصورت اولی میں کہ تکرار قبل سورت ہے اعادہ بھی واجب لترل الواجب وھم ضم السورۃ اور اگر سہوا ہوتو صورت اولی میں سجدہ آئے گا کما مر اور دو سورۃ اخیرہ میں کچھ نہیں لعدم ترل شیئ من واجبات،، (فتاوی ظفر ۴۹۰)

اسی طرح دیہات میں جمعہ کا مسئلہ اس پر آپ نے معرکۃ الاراء بحث فرمائی ہے اسکے چند نکات ملاحظہ ہو:

سوال ہوتا ہے: دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جوابا ارشاد فرماتے ہیں: دیہات میں جمعہ جائز نہیں ابوبکر بن ابوشیبہ اور عبدالرزاق اپنے مصنفات میں مولی علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ فرماتے ہیں: لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة عيد ولا اضحى الا فى مصر جامع او مدينة عظيمة ''نہیں ہوتی نماز جمعہ اور نہ تشریق نہ عیدین مگر مصر جامع یا بڑے شہر میں،، ''صححہ ابن حزم فی المحلی،، اور یہی مذہب ہے صحابہ سے، خاتم الخلفاء مولی علی وحذیفہ رضی اللہ تعالی عنہم اور تابعین سے عطا اور حسن ابن ابی الحسن وابراہیم نخعی ومجاهد وابن سیرین اور ثوری وسحنون وغیرھم رضی اللہ تعالی عنھم کا **کمافی الغنية شرح المنية**۔

ملتقی الابحر میں ہے:''لاتصح الجمعة الا بستة شروط المصر اوفنائه الخ كذا فى الكنز والاصلاح وتنوير الابصار ومراقى الفلاح وشرح الوقاية والسراجية،،۔

تبیین میں ہے:''حتى لايجوز اداؤها فى المفاوزة ولا فى القرى كذا فى مجمع الانهر والصغيرى والبحر والغنية والحلية وملا مسكين،،۔

خزانۃ المفتیین میں ہے:''لايجوز اقامتها الا بشرائط ستة منها المصر الجامع فلا يجوز اقامتهافى القرى ولا المفاوز البعيدة من الامصار۔،،

یعنی جمعہ بغیر چھ شرطوں کے درست نہیں جس میں سے مصر جامع ہے۔ تو نہیں جائز ہے گاؤں میں اور نہ ان میدانوں میں جو مصر سے دور ہیں، اگر پڑھیں گے گنہ گار ہوں گے،،

''لانه اشتغال بما لايصح ومع ذلك اماترل الظهر وهو فرض او ترل جماعة وهى واجبة

ثم الصلاۃ فرادی مع الاجتماع وعدم المانع شنیعة اخری غیر ترك الجماعة فان من صلی فی بیته معتزلا عن الجماعة فقد ترك الجماعة وان صلوا فرادی حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد ترکوا الجماعة واتوا بهذہ الشنیعة زیادۃ علیه فیودی الی ثلث محظورات بل اربع بل خمس لان مایصلونه لمالم یکن مفترضا علیهم کان نقلا واداء النفل بالجماعة والتداعی مکروہ ثم هم یعتقدونها فریضة علیهم ولیس کذلك قاله فی ”العطایاالنبویة،، وکذاقیدعلی هامش ردالمحتار،،

فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا لمافی ردالمحتار عن الجواہر: ”لوصلوا فی القری لزمهم اداء الظهر،،

اور شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دائمی بازار ہواور وہ پرگنہ ہوجس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اوراس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہوجس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

بحرالرائق میں ہے: ”وفی حد المصر اقوال کثیرۃ اختاروا منهاقولین احدهمافی المختصر ثانیهماماروہ لابی حنیفة انه بلدۃ کبیرۃ فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمه وعلمه اوعلم غیرہ والناس یرجعون الیه فی الحوادث،،

اور یہی ظاہرالروایۃ ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے ہے کما فی الغنیة والحلیه والدرر والهندیه والخانیة والخلاصة والعنایة وفتح اللہ المعین والسراجیة وحاشیة الدرر لمولاناعبدالحکیم۔ اور وہ تعریف کہ **مالا یسع اکبر مساجدہ اهله مصر** ظاہرالروایۃ کے خلاف ہے اور جو کچھ ظاہرالروایۃ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے کمافی البحر اورفتوی جب مختلف ہوتو ظاہرالروایۃ پر عمل واجب **کمافی الدرر**۔ تو اس قول کا اختیار، ظاہر مذہب سے عدول اوراس کے ماخذ کا صریح خلافہے۔ بلکہ اس تعریف کے بموجب حرمین محترمین جن کے مصر ہونے پر اتفاق ہے، جن میں زمانہ اقدس سے جمعہ قائم ہے شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں اور جس تعریف سے وہ دونوں شہر پاک مصریت سے خارج ہوں غیر معتبر ہے۔ غنیۃ شرح منیۃ ص ۵۵۰ میں ہے: ”الفصل فی ذلك ان مکة

والمدينة مصران تقام بهما الجمع من زمنه صلى الله عليه وسلم فكل موضع كان مثل احدهمافهو مصر وكل تفسير لايصدق على احدهمافهو غير معتبر حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتاخرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما وهو مالو اجتمع اهله فى اكبر مساجده لايسعهم فانه منقوض بهمااذمسجد كل منهمايسع اهله وزيادة،،

اسی لئے مجمع الانھر میں ہے: ”اذھذاالحدغیر صحیح عند المحققین،، بالجملہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں اگر پڑھیں گے گناہگار ہوں گے،ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ **واللہ تعالی اعلم۔**

ملک العلماء کا تصوف:

فقہ وفقیہ اور تصوف کی مذکو تشریحات کی روشنی میں ہم حضور ملک العلماء کو دیکھتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں،تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب وروز معمولات اصفیاء اوراذکار واشغال سے معمور دیکھائی دیتے ہیں،آپ کی ذات تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگارخانہ تھی،معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا،تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں،حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ سارے اوصاف حضور ملک العلماء کی پاکیزہ،تقوی شعار،خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔عام صوفیانہ روش سے ہٹ کر خاص صوفیانہ مسائل پر بھی اپ نے خامہ فرسائی کی ہے،فتاوی ملک العلماء کے کتاب الحظر والاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاوی شامل ہیں۔

سوال ہے کہ: کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشتغال صوفیہ میں منہمک ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔اطاعت والدین کے فضائل پر مشتمل کثیر احادیث کریمہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ”پس صورت مستفسرہ میں جبکہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے حلقے میں شامل ہونے سے روکتا اور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی ہرگز اس شخص کو اجازت نہیں کہ والدین کو

ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

(حدیث مبارک ذکر کر کے) جب بے اجازت والدین جہاد کی اجازت نہ ہوئی تو باپ کو ناراض کر کے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کر اجازت دی جائے گی؟ اس شخص کو چاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے والد کی فرمانبرداری کرے، ان کو ایذا نہ دے، عاق نہ بنے، والدین کی رضا بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرے۔

(دوسری جانب باپ کو تلقین کرتے ہیں) اگر اس کا باپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یا اسے اپنے ایذا کا خیال ہے کہ اسے تنہا چھوڑ کر وہ اپنا کام نہ کر سکے گا تو کوئی حرج نہیں اگر اس کا کوئی حرج نہیں تو ذکر و فکر، شغل و اذکار سے وہ اپنے بیٹے کو نہ روکے، کیونکہ اس کو اجازت نہیں کہ وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو،،

نیز توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترغیب والترھیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۱۰۳ س ۹ رہے: وعن یعلی ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادة بن الصامت حاضر یصدقه قال کنا عند النبی صلی اللہ علیه وسلم فقط فقال هل فیکم غریب یعنی اهل الکتاب قلنا لا یا رسول اللہ! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولوا لا اله الا اللہ۔ فرفعنا ایدینا ساعة ثم قال الحمدلله اللهم انك بعثتنی بهذه الکلمة ووعدتنی علیها الجنة وانت لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم۔ یعنی مروی ہے یعلی بن شداد سے کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادة بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے کہا تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا پھر حضور نے دعا

فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما۔

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کیلئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ھل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں وللہ الحمد واللہ تعالی اعلم،،

حضور ملک العلماء کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرات صوفیاء کے معمولات کتاب وسنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا مغلوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپرد قلم کرتے ہیں:

پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلی ھذا القیاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدہ اہل سنت والجماعت ہو بدمذہب نہ ہو جاھل سے بیعت درست نہیں کہ ع
''بے علم نتواں خدارا شناخت، جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسروں کو کیا پہچنوائے گا''
''اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے'' جاھل پیر شیطان کا ٹٹو ہے،،

ابریز میں ہے: اذلم یکن علم لدیہ بظاہر ولا باطن فاضرب بہ لجج البحر قال الشیخ رضی

اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاہر علم الفقہ والتوحید ای القدر الواجب منھما علی المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ۔

مگراس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لیے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو مسائل اعتقادیہ وعملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ وبے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر ہے مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں تربیت مرید کے لئے اعلیٰ وافضل ہے ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہیے۔

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

”لا تقدمن قبل اعتقادل انہ مرب ولا اولی بھا منہ فی العصر (ای) ولا تقدمن علی شیخ بقصد الدخول فی صحبتہ حتی تعتقد انہ من اھل التربیۃ وانہ لا احق منہ بھا فی زمنہ۔

یعنی مرید ہونے کے لیے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کرو اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں،،

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہیے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہیے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے وہ جواب اس کا سمجھئے۔

ہمہ شہر پر زخوباں، منم وخیال ماہے   چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے

حضور ملک العلماء کا مصلحانہ تنقید:

حضور ملک العلماء کو نقد ونظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔ اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں، آپ کے فتاوی میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو ملیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں راقم الحروف یہاں آپ کی ایک مفصل فتوے کے چند

اقتباسات پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی نقد ونظر کے لیے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں حضور ملک العلماء کے حضور پیش کی گئیں آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا فتوی طویل ہے میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدر طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

''علمائے اہلسنت کی تصریحات کے تو دریا اُمڈ رہے ہیں کہاں تک کوئی لکھے اب دو فتوی وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ رشیدیہ سے نقل کیا جاتا ہے جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے اگرچہ وہ وسعت علم وفسحت ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پرانا مغالطہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں،،۔

چونتیسویں سوال ''رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہبند باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ کے جواب میں ہے'' ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا بھلی نیت سے بھلا ہے فقط،، یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ ''فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام و نشان نہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے،، نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے تو جب تک اس کا جواز ادلہ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا،، نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ ''اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں یہ تمام اشیاء بانفرادہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کر کے یہ ہیئت بنالینا دھوکے کی ٹٹی ہے،، نہ ٹکے کی پانچ والی دوورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ ''یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سے منقول نہیں (ص۲۶ س۳) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو بدعت جانیں (ص۱۱ س۱) نہ یہ کہا کہ ''یہ ہیئت کسی کتاب میں منقول نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا

اس کو کسی مجتھد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے تب تک یہ ہیئات بدعت سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کے اوپر قریب ہیں بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالی اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذلک من الاحکام وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی،، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم،،

رہا محشی روداد اور ’’صاحب فاتحہ مروجہ کا فیصلہ،، کا عبارت درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کورائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا، محض ’’پادر ہوا،، اور ’’رودرقفا،، اور بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ جس کا کشف بعونہ عزوجل فقیر نے اپنے رسالہ ’’مواہب ارواح القدس،، میں بروجہ تام ومالا کلام کر دیا ہے فلتطالع۔ صاحب ’’دافع التلبیسات،، نے اسی مضمون کے متعلق زیر قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: ,,ناقل کی اعلی درجہ کی حماقت وجہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ خدا عبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذلک۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف المرء یقیس علی نفسہ کی شہرت پر اکتفا کر کے اس بات کا جواب دینا مناسب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ۔ عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارت تحریر ابن ہمام والی یہ ہے ,,المختار الاباحۃ عند جمہور الحنفیۃ والشافعیۃ،، اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر، مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحی میں لکھا کہ ’’معانقہ غیر قدوم سفر کا باجماع حنفیہ وشافعیہ کے مکروہ ہے،، حالانکہ ان کے اقراری امام محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہٗ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: فقہاء را در جواز معانقہ وکراہت آں اختلافے وتفصیلے ست وصحیح جواز اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد،،

نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے آپ کچھ اس کے سر تھوپ رہے ہیں، تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کر دیا جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ تفہیم المسائل ص ۲۷ پر انکار استمداد کے لئے ,,مطالب المومنین،، سے نقل کیا ''یکرہ الانتفاع بالقبر،، اور اس کا مطلب یہ لکھا کہ قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ,,یکرہ التمتع بالمقبرۃ وان لم یبق آثارہ،، قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کو اتنا بھی عربی پڑھا سمجھا سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے اس لیے ''اگرچہ،، کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جواز انتفاع کا گمان ہو لہٰذا تصریح کر دی کہ اثر نہ رہے تا ہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا اڑا گئے اور براہ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنا لیا؟ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔

آپ کے فتاوی کی جامعیت:

حضور ملک العلماء کے فتاوی متنوع موضوعات پر ہیں مثلاً طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، نکاح ،طلاق، قربانی، وراثت اور دیگر مختلف فیہ مسائل جیسے علم غیب اور فاتحہ وایصال ثواب وغیرہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ حضور ملک العلماء کے یہ فتاوے ان کے فتوی نویسی کے ابتدائی عہد کے ہیں اس کے باوجود متعدد موضوعات پر متنوع عناوین کے تحت حضرت نے اپنی تحقیقات نہایت جامعیت اور وضاحت کے ساتھ پیش کی ہیں۔

طرز استدلال:

حضور ملک العلماء کا فتاوی میں طرز استدلال محدثانہ اور فقیہانہ تھا۔ مسائل کی تفہیم بالعموم بنیادی مصادر کی روشنی میں کیا کرتے اور کتب فقہیہ کو ثانوی درجے پر رکھتے تھے۔ بہت سے امور میں اس کا التزم کرنے کی سعی کی ہے کہ زیر بحث سے متعلق کوئی حدیث یا اثر پر استدلال کی بنیاد رکھی جائے مثلاً ایک ساتھ

سے مصافحہ کرنے کے سلسلے میں ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں اولا وہ حدیث نقل کی جس کی بناء پر ایک ہاتھ سے مصافحے کو مسنون سمجھا جاتا ہے اس کے معنی بیان کئے اور بتایا کہ اس حدیث سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا اس کے بعد دیگر آحادیث آثار اور فقہاء کی آرا کی روشنی میں ثابت کیا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مندوب ہے۔اس کے بعد دیگر آحادیث آثار اور فقہاء کی آرا کی روشنی میں ثابت کیا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مندوب ہے۔اسی طرح ایک شخص نے سوال کیا کہ ایک عورت کا نکاح ایک ہزار روپے مہر پر ہوا چند سال بعد شوہر نے مہر کے بدلے تین ہزار روپے کی جائیداد اپنے بیوی کے نام منتقل کر دی تو اسطرح مہر کا اضافہ از روئے شرع کیسا ہے؟حضور ملک العلماء نے آیت ولا جناح علیکم فیما تراضیتم به کی معرکۃ الارا توضیح کرنے کے بعد شرح وقایہ ،کنز الدقائق ، بحر الرائق ،تبیین الحقائق ، درمختار ، ردالمحتار ، فتاوی عالمگیری اور المحیط کے حوالے دیکر اور عبارات نقل کر کے مسئلہ واضح کر دیا کہ بی بی کے مہر میں اضافہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

تفہیم مسائل:

حضور ملک العلماء کے فتاوے میں ایک نمایاں خوبی یہ نظر آتی ہے کہ حضرت مسائل کو سمجھتے اور صورت مسئلہ کو واضح طور پر منقح کرنے کی کوشش کرتے بسا اوقات دلائل اتنے اہم نہیں ہوتے جتنے کہ مسئلے کی وضاحت۔حضرت اس بات کا التزام فرماتے کہ دلائل خواہ مختصر ہوں یا مفصل لیکن ان کی پیچیدگی اصل مسئلے کو متاثر نہ کرے بلکہ مرام یہ ہوتا کہ سائل کو مسئلہ واضح طور پر معلوم ہو جائے چونکہ سائل کی نظر میں اصل اہمیت مسئلے کی ہوتی ہے دلائل کی نہیں دلائل تو محض اسکی تشفی کرتے ہیں کہ مسئلہ نصوص شرعیہ سے مستفاد ہے۔
حضور ملک العلماء جواب دیتے ہوئے پہلے صورت مسئلہ کو واضح کرتے اس کے بعد دلائل بیان کرتے دلائل میں اگر قرآن وحدیث ہوتو اس کا ترجمہ یا توضیحی ترجمہ بیان کرتے اس کے بعد فقہی کتابوں سے حوالاجات نقل فرماتے اور اکثر اسے بلا ترجمہ چھوڑ دیتے کسی دلیل کی وضاحت کرنی ہوتی تو وضاحت بھی کر دیتے جیسا کہ آپ نے سر پر سہرا باندھنے کے متعلق اور شیخ سدو وغیرہ کے نام مرغا بکرا پالنے کے متعلق شاندار انقلاب آفریں جو فتوی تحریر فرمایا وہ لائق مثال ہے۔

تنقیح مسائل:

حضور ملک العلماء نے اپنے فتاوے میں اس بات کا بھی التزام کیا ہے کہ صورت مسئولہ کی تنقیح وتوضیح کر کے اس کے جزئیات اور متنوع پہلوؤں کی وضاحت کی ہے تا کہ سائل کو اصل مسئلہ اور اس کے لواحق کو سمجھنے میں آسانی ہو اس طرح کی تنقیح کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات کسی مسئلے میں مطلق حکم نہیں ہوتا بلکہ اسی مسئلے میں محض نیت کے بدل جانے سے یا مقام وشکل بدل جانے سے حکم تبدیل ہوجاتا ہے اور ایسا ہوسکتا ہے کہ جواب کو سائل کسی دوسرے مفہوم میں لے لے جو مفتی کا مطلب نہ ہو لیکن مسئلے کی تنقیح کے بعد اس طرح کی غلط فہمی یا معنی مراد کے سمجھنے میں غلطی کی گنجائش ختم ہوجاتی ہے۔ تنقیح مسائل کی مثالیں فتاوی ملک العلماء میں متعدد مقامات پر موجود ہے مثلا ایک سائل نے دریافت کیا کہ تعزیہ بنانا ملیدہ اور کھچڑے وغیرہ کا تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ دینا اور علم اٹھانا نیز مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے وضاحت فرماتے ہوئے مسکت جواب دیا کہ فاتحہ دینا اور تعزیہ کو فاتحہ دینا الگ الگ باتیں ہیں اسی طرح مرثیہ پڑھنے اور مرثیہ کے ذریعہ انبیاء وصلحا کی توہین کرنا دو الگ الگ باتیں ہیں اس لئے دونوں کے حکم بھی علی حدہ ہیں۔

کثرت مراجع:

حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ کے فتاوے کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ آپ نے بکثرت مراجع ومصادر استعمال فرمائے ہیں آپ کے مراجع میں بنیادی اصول قرآن وسنت کے علاوہ فقہ وفتاوی کی بیشتر متداول کتابیں شامل ہیں۔ فتاوی کی امہات کتب جیسے درمختار، ردالمحتار، فتاوی قاضی خان، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ،خزانۃ المفتیین، فتح القدیر، مجمع الانھر، جوہرۃ النیرہ ، بدائع الصنائع، بحرالرائق، نہر الفائق، بہجۃ الاسرار، الکافی، الوافی، الملتقی، جواہر الاخلاطی شرح وقایہ، ھدایہ، ہندیہ، سراجیہ، تبیین الحقائق وغیرہ کے علاوہ ثانوی مراجع جیسے وجیز امام کردی، فتاوی القرویہ، فتاوی صوفیہ، جامع المضمرات، تاتارخانیہ، برجندی، فتاوی ظھیریہ، شرح کنز ملامسکین، نظم الفرائد تیسر المقاصد الشفا قاضی عیاض اور واقعات المفتیین وغیرہ ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ غیر فتاوی کی کتب بھی آپ کے مراجع میں دیکھنے کو ملتا ہے جیسے کتب تفاسیر میں تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین تفسیر مدارک ، خازن ، ابن جریری طبری، تفسیر حسینی معالم التنزیل ،تنویر المقیاس، روح المعانی، بحرالمحیط

،قنوجی،تفسیر مخدوم علی بہائمی نووی ،لسان العرب وغیرہ نیز میزان الشریعہ (عبد الوہاب شعرانی) قصیدہ بردہ (امام بصیری) وغیرہ شامل ہیں۔اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے روزے کے متعلق ایک استفتا کے جواب میں ۲۳ رکتب فقہ سے وراثت کے استفتا کے جواب میں ۲۴ رکتب فقہ سے رامپور کے ایک استفتا کے جواب میں ۴۲ رکتب فقہ سے دلائل مرحمت فرمائی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاوے پورے عالم اسلام میں حیثیت مقبولیت سے بہرہ ور ہے جس کی نظیر مفقود ہے۔

فن فقہ میں آپ کی تصانیف:

حضور ملک العلماء نے متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا ہے لیکن ان کی تصانیف کا معتد بہ حصہ فقہ اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔اس موضوع پر آپ کی تقریبا پچیس کتابیں ملتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر آفتاب و ماہتاب سے کم نہیں ہیں۔اس کے علاوہ کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے:

(۱)صحیح البہاری: احناف کی مستدل صحیح احادیث کو فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع کیا ہے اس طرح گویا یہ کتاب فقہی نوعیت کی ہے۔

(۲)مواہب ارواح القدس لکشف حکم العروس:عرس کے جواز پر ایک وقیع فقہی رسالہ ہے۔

(۳)التعلیق علی القدوری:فقہ کی مشہور کتاب قدوری پر عربی حاشیہ ہے۔

(۴)بدر الاسلام لمیقات کل صلوۃ والصیام:اوقات نماز صحیح طور پر معلوم نہ ہونے کے سبب لکھی گئی تھی۔

(۵)مشرقی اور سمت قبلہ:خاکسار تحریک کے بانی مولانا عنایت اللہ مشرقی نے ''مولوی کا غلط مذہب'' نامی ایک رسالہ لکھا تھا جس میں علمائے اسلام کی ہیئت دانی کی تخفیف کی تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہندوستان کی بیشتر مساجد کی سمت قبلہ سے منحرف ہے ان میں نماز جائز نہیں حضور ملک العلماء نے اس کے رد میں رسالہ ''مشرقی کا غلط مسلک'' لکھ کر مشرقی صاحب کا مدلل علمی رد کیا اور علم ہیئت کے قواعد کی رو سے ثابت کیا کہ ہندوستان کی بیشتر مساجد صحیح سمت میں ہیں۔

(۶)ھادی الھدایہ لترل الموالاۃ:اس میں تحریک ترک موالات کے پس منظر اور عواقب بیان کئے گئے ہیں۔

(۷)اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد: یہ رسالہ قربانی کی کھالوں کے مساجد میں استعمال کرنے سے متعلق مسائل پر مشتمل ہے۔

(۸)بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ: یہ حظر واباحت کے موضوع پر ایک وقیع فقہی رسالہ ہے۔

(۹)القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر: یہ رسالہ جمعہ کے اذان ثانی میں بالکل منبر کے سامنے کہے جانے سے متعلق مفید بحث پر مشتمل ہے۔

(۱۰)رفع الخلاف من بین الحناف: نماز میں رفع یدین کے متعلق فقہ کا مفید رسالہ ہے۔

(۱۱)تحفۃ الاحباب فی الکوۃ والباب: کھڑکی کا فیصلہ

(۱۲)نہایۃ المنتہی فی شرح ھدایۃ المبتدی: فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ کی شرح ہے۔

(۱۳)تسہیل الوصول الی علم الوصول: یہ اصول فقہ کا ایک مفید رسالہ ہے۔

(۱۴)نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال ثواب: ایصال ثواب سے متعلق ایک جامع رسالہ ہے جو منکرین کے رد میں لکھا گیا ہے۔

(۱۵)تنویر المصباح للقیام عند حی علی الفلاح: یہ رسالہ نماز باجماعت میں امام ومقتدی کا حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑے ہونے کے ثبوت پر کافی جامع اور مانع ہے۔

(۱۶)جامع الاقوال فی رویۃ الھلال: مسئلہ رویت ھلال اختلاف مطالع طریق موجب عدم اعتبار خطوط وتار وغیرہ میں علمائے سابق وحال کے بتیس فتاوے کا نایاب مجموعہ ہے۔

(۱۷)نافع البشر فی فتاوی ظفر: فتاوی ملک العلماء

(۱۸)الفیض الرضوی فی تکمیل الحمودی

(۱۹)**عید کا چاند**: رویت ھلال کے متعلق (جہان ملک العلماء)

جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ وافتا کے سمندر میں گوہر آبدار کی حیثیت رکھتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ ایک فقیہ اسلام کے لیے جن علوم اور مقتضیات کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب حضور ملک العلماء کو حاصل تھے اس علمی وفنی وسعت وگہرائی پر آپ کی ایک سو ساٹھ سے زائد تصنیفات وتعلیقات بین

شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم وفنون کی تابناک کرنیں بکھری ہوئی ہیں بلکہ ان میں بعض علوم ایسے ہیں جن میں آپ اپنے اقران ومعاصرین میں ممتاز ومنفرد نظر آتے ہیں۔

تفقہ فی الدین کی تشریح وتوضیح کی روشنی میں جب ہم حضور ملک العلماء قدس سرہ النورانی کی ذات ستودہ صفات اور آپ کی دینی فقاہت ومہارت کا جائزہ لیں تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ملک العلماء علیہ الرحمۃ تفقہ فی الدین حاصل کرنے والے فقہائے کرام اور مفتیان اسلام کی فہرست میں نمایاں مقام اور امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔مسائل شرعیہ کی تحقیق وتدقیق میں آپ اپنے اقران ومعاصرین میں اعلی اور انفرادی مقام رکھتے تھے، سیدی حضور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کے بعد آپ اپنے وقت کے صرف ایک فقیہ ہی نہیں بلکہ فقیہ اعظم ہند تھے فقہ وافتاء کی دنیا میں بلاشبہ آپ کی شان کو ہمالہ کی طرح مضبوط اور مستحکم اور ارباب فقہ وفتاوی کے درمیان آپ کی ذات مسلم الثبوت تھی۔حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت اور فتاوی نویسی میں فقاہت ومہارت کے ثبوت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے عالم اسلام کے ایک عبقری فقیہ ومفتی مجدد ماۃ حاضرہ سیدی حضور اعلی حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تربیت واصلاح میں فتوی نویسی کی مشق فرمائی اور حضور اعلی حضرت نے اپنی حیات ظاہری میں عالم اسلام کا مرکز دارالافتا بریلی شریف کا آپ کو مفتی نامزد کر کے فقہ وافتا میں اپنا جانشیں مقرر کر کے آپ کی فقہی بصیرت اور افتا کی مہارت پر مہر لگادی، آپ نے حضور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اپنے نوک قلم سے سینکڑوں فتاوے تحریر کر کے حضور سیدی اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کا اعتماد حاصل کیا اور فقہ وافتا کی دنیا میں اپنی قابلیت ولیاقت کا لوہا منوالیا، ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے ہزاروں مسائل شرعیہ کا فقہ حنفی کی روشنی میں جوابات تحریر فرما کر امت مسلمہ کے حوالے کر کے دین ومذہب کی آبیاری فرمائی۔حضور ملک العلماء رحمۃ اللہ علیہ کو اس صدی میں جس وصف نے سب سے زیادہ ممتاز ومنفرد بنایا اور بام عروج پر پہونچایا میری نظر میں وہ وصف آپ کا تفقہ فی الدین ہے۔آپ کے فتاوی میں سیدی حضور اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کے فتاوی کی روانی وسلامتی اور توضیح وتنقیح جیسے اوصاف نمایاں موجود ہیں۔نو پید مسائل کو حل کرنا ،الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانا، مسائل شرعیہ کو کثرت دلائل وشواہد اور فقہی جزیات سے حل کرنا، سائل کی

زبان کی رعایت، مسئلہ سے متعلق دیگر علوم وفنون کا استعمال، متعارض اقوال میں تطبیق اور اسطرح کے دیگر اوصاف اور نمایاں خصوصیات میں حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے آپ مظہر اتم اور عکس جمیل تھے۔ایک فقیہ اور مفتی کیلئے جن طبقات فقہاء احناف اور مستند کتب مذہب کی درجہ بندیوں کے ساتھ ساتھ رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھنا ضروری ہوتا ہے وہ تمام خوبیاں آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی چنانچہ حضور ملک العلماء علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت اور فتوی نویسی کے ملکہ راسخہ کو دیکھ کر ایک دن آپ کے مربی اور مشفق استاذ ومرشد عبقری الشرق اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے فرمایا: (چنانچہ اعلی حضرت انجمن نعمانیہ لاہور کو ۵ / شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں)

,,مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین قادری سلمہ فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجان عزیز! ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا: ,,سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں، عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہ تعالی کر سکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔امام ابن حجر مکی نے ,,زواجر،، میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا ہے۔فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جن میں بعض نے انتقال کیا اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے انہوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز تاریخ کیلئے اور جملہ اوقات ماہ مبارک رمضان شریف کے بھی بناتے ہیں۔فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے،، (حیات اعلی حضرت ص ۲۴۴)

آپ کے فقہی مقام ومرتبہ اور معیار کا اندازہ آپ کے گراں قدر فتاوی کے مطالعہ سے بھی ہوتا ہے کیونکہ آپ کی فقہی نگارشات اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ آپ آداب افتا اور جزئیات فقہیہ پر نظر رکھنے والے ایک ماہر وممتاز مفتی فقیہ تھے چنانچہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی اپنی تقدیم مشمولہ ,, فتاوی ملک

العلماء‘‘ میں رقمطراز ہیں:

ایک مفتی کو درج ذیل اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے:

(۱) مذہب کے متون، شروح فتاوی پر اس کی گہری نظر ہو ساتھ ہی استحضار ہو (۲) عرف ناس وحالات زمانہ سے باخبر ہو (۳) سوال فہم ہو، مسائل کے خلجان اور اسکی الجھن کو سمجھ سکے (۴) جواب تحقیق کے ساتھ لکھے اور مذہب کے جزیات مفتی بہا سے استناد کرے (۵) جواب مسئلہ کے تمام ضروری گوشوں کو حاوی ومحیط ہو (۶) اس بات پر بھی نظر رکھے کہ سائل یا کوئی بدمذہب اس کے فتوی سے غلط فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ ان اوصاف کا تذکرہ کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں’’ ان امور کی روشنی میں جب ہم حضرت (ملک العلماء) کے فتاوی کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ان تمام اوصاف کے جامع نظر آتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی درسگاہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ شواہد اس امر کی بین دلیل ہیں کہ حضرت ملک العلماء رحمۃ اللہ اپنے وقت کے ایک ذمہ دار مفتی تھے اور آپ کے فتاوی ہمارے لئے سند وحجت ہیں ‘‘ (مقدمہ: فتاوی ملک العلماء ص ۸)

مزید آپ کے فقہی بصیرت کے متعلق آپ کے گرامی قدر صاحبزادے ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صاحب سابق وائس چانسلر مظہر الحق عربی، فارسی یونیورسیٹی پٹنہ وسابق صدر شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی علی گڑھ تحریر فرماتے ہیں’’ والد ماجد علیہ الرحمۃ نے فتوی نویسی کا آغاز اپنی طالب علمی کے زمانے ہی سے کر دیا تھا۔ ان کا سال فراغ ۱۳۲۵ھ ہے اور انہوں نے پہلا فتوی ۸ ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو تحریر فرمایا جب وہ فاضل بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہوکر درس حدیث لینے اور فتوی نویسی سیکھنے میں مصروف تھے فارغ التحصیل ہونے کے بعد والد ماجد کی علمی مصروفیات میں گوں ناگوں اضافہ ہو گیا لیکن فتوی نویسی سے رشتہ اخیر دم تک قائم رہا (مقدمہ: فتاوی ملک العلماء ۵)

علم وفضل کے میدان میں حضور ملک العلماء کی جامعیت اور تبحر کا ایک زمانہ شاہد ہے علوم مروجہ کا وہ کونسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہیں رہا جن پر واضح ثبوت آپ کی تصنیفات وتالیفات کا عظیم ذخیرہ ہے۔

حضور ملک العلماء علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ سے ان کی سادگی، رواداری،

علم وفضل بالخصوص اعلی حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت خاص کی وجہ سے دنیائے سنیت کو بے حد عقیدت ہے، لیکن یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ حضرت کے وصال کو نصف صدی ہوتا ہے لیکن چند مضامین کے سوانہ حضور ملک العلماء پر کوئی کام ہوسکا اور نہ آپ کی نگارشات کو منظر عام پر لانے کی باضابطہ کوشش ہوسکی، تنویر المصباح، نصرۃ الاصحاب، مبارکپور، گھوسی، لاہور اور ہزاری باغ سے شائع ہوئیں۔تنویر السراج فی ذکر المعراج اور صحیح البھاری کی کچھ قسطیں پاکستان سے شائع ہوئیں۔ چند مضامین بھی لکھے گئے جن میں مولانا محمد محمود رفاقتی علیہ الرحمۃ مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت کا مضمون ''ملک العلماء اور علم حدیث،، قدرے مفصل ہے جو تین قسطوں میں ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور سے شائع ہوا لیکن۔

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں

مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اب جمود ٹوٹ چکا ہے حضرت پر تحقیقی کاموں کی پیش رفت ہو چکی ہے۔بحمدہ تعالی اس کام میں مرکزی ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار پیش پیش ہے۔حضور ملک العلماء کے فتاوی کو ترتیب دیکر حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ارشاد احمد رضوی مصباحی ساحل سہسرامی (علیگ) بڑا اہم کام انجام دیا ہے اور فتاوی کا معتد بہ حصہ بنام فتاوی ملک العلماء تیار فرما کر دنیا سنیت کو حوالے کیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں پوری ملت کی جانب سے جزائے خیر دے اور انکی عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور ہم تمام کو حضرت ملک العلماء کا فیضان عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

ایک سفینہ اور چاہیے بحر بیکراں کیلئے

❀❀❀

از: غلام رسول اسماعیلی

گوہر بنکی، باسوپٹی، مدھوبنی، بہار

۱۸/ جمادی الاخری ۱۴۴۵ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۲۴ء بروز پیر